مشاہیر اہل علم

کی

محسن کتابیں

از مولانا عبدالباری صاحب ندوی پروفیسر جامعہ عثمانیہ

کچھ طبیعت کی افتاد اور کچھ قلت استعداد سے اولاً تو کتابیں کم کیا اتنی کم پڑھی ہیں، کہ آپ یقین فرماسکیں تو نہ پڑھنے کے برابر ہیں۔ ان میں بھی کسی "مردہ کتاب" کا کم از کم شعور کے کسی گوشہ میں اتنا ابھار کوئی نقش نہیں نظر آتا۔ جو لائق ذکر ہو۔ البتہ ذہنی زندگی کے قریب قریب ہر موڑ پر کوئی نہ کوئی زندہ انسان ضرور کھڑا نظر آیا۔

حافظہ کی زیادہ تلاشی لینے سے، صرف ایک چھوٹی سی کتاب یاد آئی۔ جو کوئی چوتھائی صدی قبل پڑھی تھی برکلے کی "پرنسپلس آف ہیومن نالج" جس کا نام لینا بھی غالباً آپ پسند نہ فرمائیں۔ اسی زمانہ میں مبادی علم انسانی کے نام سے اس کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ اس کا اولیں اثر تو میری بے دینی (ربابیت) کی توثیق تھی، مگر پھر اسی نے حقیقت علم کے سوال کی طرف متوجہ کرکے حقیقی علم و یقین (ایمان) کا راستہ صاف کیا، بلکہ آگے چل کر اسی کتاب کے نظریات و دلائل نے علم و یقین کے اصل سرچشمہ (قرآن) کے بعض اہم حقائق و غوامض کی فہم و یافت میں مدد دی۔ بعد میں الحمدللہ کہ ان کی خود اپنے بہت سے اکابر کے ہاں تصدیق پاکر مزید اطمینان قلب اور شرح صدر نصیب ہوا۔

اصل میں طالب حق کے لئے کلی اصول ایک ہی ہے "الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا"، صدق طلب شرط ہے پھر مجاہدہ کی کوئی راہ بھی حق رسی کا بہانہ بن جاتی ہے "سُبل" کی جمع میں بھی اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر اگر کوئی گمراہی کے راستہ پر بھی پڑ گیا ہو، تو وہ بھی اپنی ہی راہ سے "سُبلنا" کی طرف مڑ جاتا یا موڑ لیا جاتا

ہے مجھ کو تو خود اپنے اور اپنے سے زائد احباب ہیں اس کا مشاہدہ ہوا۔ طلب صادق و اخلاص کی بڑی قیمت ہے۔ پیاس ہو تو پانی کی کیا کمی۔ ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست ۔۔۔ تا کہ آبت جوشد از بالا و پست

البتہ جھوٹی پیاس استسقا کی ہلاکت ہے۔

یہ تو ماضی تھا، حال یہ ہے، کہ "ذٰلِکَ الْکِتٰب" کے سوا کوئی کتاب کتاب ہی نہیں معلوم ہوتی۔ دعا فرمائیے کہ جو کچھ بھی زندگی رہ گئی ہے۔ اسی زندہ کتاب اور اس کے زندہ (حی لایموت) مصنف کے آستانہ پر ختم ہو جائے۔

چونکہ یہ عریضہ آپ کے لئے ہے اس لیے اس عجیب کتاب کے بھی عجیب تجربات، اس خیال سے آپ کی خدمت میں عرض کر دینے کا جی چاہتا ہے۔ کہ اگر کسی کی توثیق ہو گئی تو میری مزید تشفی کا باعث ہو گی۔

ابتدا میں سب سے زیادہ موحش، اس کتاب کا بظاہر بے ربط اسلوب بیان رہا۔ لیکن اب تلاوت کرتا ہوں۔ تو جو چیز اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف کو "کلام اللہ" ثابت کرتی ہے، وہ سب سے زیادہ یہی اسلوب بیان (اسٹائل) ہے۔ کسی طرح یہ بات تصور میں نہیں آتی کہ کوئی انسان بھی انسانی دل و دماغ اور بشری نفسیات کے ساتھ اس طرح بے تکلف دو چار آیات بھی بول سکتا ہے۔ جس طرح یہ کتاب ابتدا سے انتہا تک بے تکلف ایک فوق البشری انداز بیان میں ناطق ہے۔ حد یہ کہ لفظی غیر لفظی کوئی ترجمہ خود اسی کتاب کا جب کسی دوسری زبان میں پڑھتا ہوں۔ تو صاف امتیاز ہونے لگتا ہے، کہ ترجمہ کے اندر پھر انسان

شریک ہوگیا۔ تفسیر وغیرہ کا ذکر ہی کیا۔ اپنا حال تو یہ ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ خود کسی طرح میرے ہاتھ میں ایک کتاب رکھ دیتے اور فرماتے کہ یہ "بین الدفتین" جو کچھ ہے لفظ لفظ حرف حرف میرا کلام ہے۔ تو بھی میرا شکی اور احتمال آفریں ذہن اس کے کلام اللہ ہونے پر شاید ہی اتنا یقین کر سکتا جتنا اس عجیب و غریب اسلوب بیان کی بناء پر حاصل ہے مجھ کو تو اس انداز کلام کا نام ہی بجز کلام اللہ کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

جو لوگ اس کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ کاش ایمان اور عدم ایمان دونوں سے اپنے ذہن کو ایک مرتبہ خالی کر کے۔ بلا ترجمہ و تفسیر ممکن بے تعصبی کے ساتھ خود اس کتاب کا مطالعہ کچھ دن جاری رکھ سکیں۔ تو انشاء اللہ ان کی سب بحثیں اور اعتراضات از خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ اگر آدمی اتنی عربی جانتا ہو کہ عربیت کے تحت صحیح معنی سمجھ لیتا ہو، تو پھر ایک ہی ترجمہ و تفسیر کی ضرورت رہ جاتی ہے، کہ انسانی فطرت اور انسانی زندگی کے تحت پیش آنے والے واقعات و تجربات، اور ان کی مشکلات و مہمات میں اس کی تفسیر تلاش کرے، تو مومن تو مومن غیر مومن کو بھی یہ اذعان حاصل ہو کر رہے گا، کہ انسانیت جہاں کہیں اور جس حال میں بھی پائی جاتی ہو، اس کی سیدھی راہ وہی راہ ہے جس کی طرف یہ کتاب رہنمائی کرتی ہے۔

ان ربی علٰی صراط مستقیم

غم و غصہ دونوں زیادہ مسلمانوں کے حال پر آتا ہے، جو اس زندہ کتاب پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور پھر زندگی کا راستہ دوسروں سے پوچھتے اور اِدھر اُدھر

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں۔ ان کو تو صرف اس کی ضرورت تھی، کہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں بس اسی کتاب کو بطور ایک زندہ کتاب کے استعمال کرتے۔

کہنے کی بات نہیں، لیکن آپ سے کہہ دینے کا جی چاہتا ہے، کہ میرا تو یہ حال ہو گیا ہے، کہ لغت اور زبان کے اعتبار سے معانی سمجھ لینے کے بعد۔ یا اگر کوئی واقعہ طلب شے ہو، تو واقعہ کو سمجھ لینے کے بعد۔ جہاں اور جس مقدار میں اس کلام اللہ کے ساتھ تفسیر وغیرہ کی صورت میں کلام الناس کو شریک کیا۔ اسی قدر ہمیشہ نہیں لیکن زیادہ تر ایسا معلوم ہونے لگتا ہے، کہ جو روشنی ملی تھی اس کی جگہ پھر تاریکی چھانے لگی۔ بس "ماینطق عن الھویٰ" میں اپنا پرایا جتنا ہوائی علم مل جاتا ہے، شاید اتنا ہی خالص وحی کے علم کا حجاب بن کر اُس کے فیضان کو روک دیتا ہے، اس لئے میرے نزدیک، تو مفسر کے علم و تقوے کو معلوم کئے بغیر ہر تفسیر کو پڑھنے لگنا بہت خطرناک ہے۔ الا آنکہ کسی کا علم و تقویٰ خود کافی محافظ ہو۔ اور آج کل تو ہر شخص مفسر ہے، اور ہر اخبار و رسالہ اس کی تفسیر شائع کرنے کے لیے کھلا ہوا ہے۔

ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ لوگ پورا قرآن سمجھنے سمجھانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ یقیناً سارا قرآن ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے۔ لیکن ہر انسان کے لئے سارا قرآن اسی طرح نہیں جس طرح کرۂ ارض کا سارا رزق ساری انسانیت کیلئے ہے لیکن ہر انسان کے لئے نہیں، اگر ہر آدمی "خَلَقَ لکم مافی الارضِ جمیعًا"، کے تحت سارے آدمیوں کا کیا دو چار کا حصہ بھی ہوس میں آ کر کھا جائے تو اکثر صورتوں میں بدہضمی اور بعض میں ہلاکت یقینی ہے۔ سہ

قسمت حق است روزی خواه سنے ہر یکے را سوئے دیگر راہ سنے

جس طرح ہر جسمانی غذا کا ہر مزاج و ماحول کے انسان کے لئے موافق آنا ضروری نہیں۔ وہی حال روحانی غذا کا بھی ہے، بلکہ ارواح کے الوان و تقاضارات اجسام سے بہت زیادہ کثیر و متفاوت معلوم ہوتے ہیں، ایک شخص دوسرے کا حصّہ کیسے پا سکتا ہے۔ ایک موٹی مثال عرض کرتا ہوں "ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم" سے لے کر تغابن کی آخری آیات تک کا ترجمہ تو ہر شخص ہی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جو شخص ازدواجی زندگی کے تجربات سے سرے سے نہیں گزرا۔ یا جس کو "عدوا لکم" سے سابقہ نہیں پڑا، وہ فاحذروھم کے پرہیز یا "وان تعفوا و تصفحوا و تغفروا" کے علاج کی کیا قدر جان سکتا ہے، اسی طرح "انما اموالکم و اولادکم فتنۃ واللہ عندہ اجر عظیم الخ" کا تحقیق فہم اس شخص کو کیسے نصیب ہو سکتا ہے، جو اس فتنۂ اموال و اولاد میں پڑا ہی نہ ہو! ذہانت یا دوسروں کے تجربہ سے تفسیر بیان کر دینا اور بات ہے، لیکن ذاتی تحقیق تو بہرحال ذاتی تجربہ ہی کا ثمرہ ہو سکتا ہے۔ اس یافت و تحقیق کی قائم مقامی، نہ ذہانت کی کوئی مقدار کر سکتی ہے اور نہ معلومات کا کوئی وسیع سے وسیع سرمایہ۔

ایک اور ذرا باریک مثال لیجئے۔ ایک شخص کا دماغ خالق و مخلوق کے ربط کو سمجھنے کے لئے سالہا سال عقلی آوارہ گردی میں گرفتار رہا، فلسفہ اور مابعد الطبعیات کی راہوں کی خاک چھاننا پڑا، اس کے بعد اس کو "ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم" سے اگر کچھ سمجھ میں آتا ہے اور اس کی پیاس بجھتی ہے۔ اور "بکل شئ

علیمؔ“ کے ایک اشارہ سے خالق کی اولیت، آخریت، ظاہریت و باطنیت اور مخلوقات کے ساتھ اس کے ربط و تعلق کی گرہ کھل جاتی ہے۔ تو جس دماغ میں یہ سوال ہی نہیں، اس کو جواب کیا ملے گا۔ یا اس کی کیا قدر ہوگی۔ کیا اس کی کوئی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ایک فلسفی دماغ کی ہدایت کے لئے قرآن میں کوئی راہ نہ ہو۔

حاصل معروضات یہ ہے کہ مسلمہ عقائد و اعمال کی جس مقدار کی تکلیف ہے، اس حد تک تو سب کو تبلیغ و تفہیم مساوی ہونے کی بھی تکلیف ہے۔ باقی قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مختلف الوان و احوال یا مختلف ”سُبل“ اور راہوں کے لوگ اپنی اپنی خاص راہ سے اس زندہ کتاب کے ذریعہ اپنے زندہ رب سے اپنی زندگی کے سارے کاروبار میں زندہ اور شخصی ربط و تعلق پیدا کریں۔ بغیر اس زندہ ایمان کے نہ عبد و رب میں عبدیت و ربوبیت کا ربط قائم ہوتا ہے۔ نہ ایمان کی حلاوت ملتی ہے، نہ اُس کے اعلیٰ ثمرات پیدا ہوتے ہیں، واللہ اعلم بالحق والصواب۔